زیر سرپرستی: امین ملت حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری برکاتی مدظلہ العالی، مارہرہ مطہرہ

اشعارِ رضا کی توضیح

اور شارحِ رضویات احسن العلما مارہروی

غلام مصطفیٰ رضوی

برائے ایصالِ ثواب

☆ مرحومہ عشرت جہاں محمد اسماعیل...... ☆ مرحوم محی الدین

☆ مرحوم نظام الدین...... ☆ مرحومہ رضوی زیتون عبد القیوم

ناشر: **نوری مشن** مالیگاؤں

ملنے کا پتا: مدینہ کتاب گھر، اولڈ آگرہ روڈ، مالیگاؤں

سن اشاعت ۱۴۳۳ھ/ ۲۰۱۲ء...... ہدیہ: دعاے خیر بہ حق اراکین و معاونین نوری مشن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش گفتار

از قلم: حضرت سید وجاہت رسول قادری مدظلہ العالی

(مدیر معارف رضا و صدر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی)

سخن فہمی، سخن سنجی، سخن شناسی، شعر گوئی ایک ایسا ملکوتی ملکہ ہے جس سے خلاّقِ عالم عزّوجل کسی کسی کو نوازتا ہے اور اس کے ذوق کے پروان چڑھانے اور اس کی مناسب تربیت کے لیے اسے سازگار ماحول بھی فراہم کرتا ہے۔ اس لیے ضروری نہیں کہ ہر عالم، جو درس و تدریس یا اپنے علمی میدان میں بجا طور پر باکمال تسلیم کیا جاتا ہو، وہ ایک بلند ذوقِ شعری کا بھی حامل ہو۔ ہاں! ایسا عالم جو اپنے دور کے تمام مروجہ علوم و فنون اور اس کی فروعات سے کماحقہٗ واقف ہو، اور طبع سلیم کے ساتھ سخن فہمی اور شعر گوئی کا ستھرا ذوق بھی رکھتا ہو وہ اپنے عہد کے علما میں ایک امتیازی شان کا مالک ہوتا ہے۔

احسن العلما، حضرت مولانا سید مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی (۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء) کا شمار بھی ایسے ہی علما میں ہوتا ہے۔ آپ خاندانِ ساداتِ برکاتیہ مارہرہ شریف کے چشم و چراغ ہونے کے ساتھ ساتھ وہاں کی مرکزی دانش گاہ کے سند یافتہ اور خانقاہِ قادریہ برکاتیہ کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ نے ”اہلِ زبان“ کی روایات کی آغوش میں پرورش پائی۔

آپ ایک منجھے ہوئے ادیب، سلجھے ہوئے نثر نگار و خطیب، خلیق و شفیق، عارف باللہ پیرِ طریقت اور باکمال سخن فہم و سخن شناس تھے۔ شعر گوئی سے بھی خصوصی رغبت تھی۔ شعر و سخن کے محاسن و قبائح کی جانچ اور پرکھ کا خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ علمی گفتگو اور بحث و تمحیص آپ کی طبیعت کا خاصہ تھا۔

بہ ایں ہمہ خوبی و اوصاف آپ کی خاص خوبی اور آپ کا محبوب مشغلہ شعرِ رضاؔ [امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہ (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) کے نعتیہ اشعار] کی عام فہم انداز میں شرح و تفسیر تھا۔ جو اہلِ علم و فن امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی ہمہ جہت شخصیت، ان کے علمی سرمایے کی وسعت، علوم و فنون پر ان کی مجتہدانہ مہارت، علمی بصیرت، علوِ تخیل، جذبۂ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ادب و آدابِ بارگاہِ رسالت کی پاس داری، شعرِ رضاؔ کی معنوی بلاغت، مضمون آفرینی، معیار و مہک، ادبی، علمی مصطلحات کا چابک دستی سے استعمال اور ان کی نعتیہ شاعری کے دیگر محاسن سے واقف ہیں، ان پر یہ بات واضح ہے کہ اعلیٰ حضرت رضاؔ بریلوی کے اشعار کی تشریح اتنی آسان نہیں اور چہ جائے کہ اسے عام فہم زبان میں بیان کیا جائے۔

ماہرِ رضویات، مسعودِ ملّت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ، حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمہ کے شعری محاسن پر اپنے ایک مقدمے میں اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”حضرت رضاؔ بریلوی صاحبِ فن، صاحبِ عشق، صاحبِ علم اور صاحبِ معرفت تھے۔ ان کی شاعری معمولی شاعری نہ تھی۔ جس طرح ان کے سمجھنے کے لیے دردِ عشق کے ساتھ ساتھ گوناگوں علوم وفنون کا جاننا ضروری ہے، صرف اردو میں ایم۔اے یا پی۔ایچ۔ڈی کر لینا یا ادیبوں، شاعروں اور ناقدوں کی فہرست میں نام لکھوا لینا کافی نہیں، (اسی طرح) یہاں بڑے تبحّر اور بڑے سوز وساز کی ضرورت ہے۔“ (سیّد مرغوب اختر الحامدی الرضوی، مولانا، امام نعت گویاں، ربیع الاول ۱۴۲۷ھ/ اپریل ۲۰۰۶ء، مطبوعہ رضا اکیڈمی لاہور، ص ۱۷)

جس طرح امام احمد رضا کی شخصیت ایک ہشت پہلو ہیرے کی ہے اسی طرح ان کی شاعری کے بھی مختلف رنگ وروپ ہیں جس کی تفصیل میں جانا فی الوقت راقم کا موضوع نہیں ہے اور نہ ہی وقت اور قلم و قرطاس کے دامن کی کوتاہی اس کی اجازت دیتی ہے۔ حضرت رضاؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری بہ ذات خود اس قدر وسیع موضوع ہے کہ اس پر اب تک متعدد پی۔ایچ۔ڈی کے مقالات لکھے جا چکے ہیں، اور مزید لکھے جا رہے ہیں۔ متعدد کتب بھی لکھی جا چکی ہیں۔ برصغیر پاک وہند کے جرائد میں گزشتہ ۴۰؍ برسوں میں سو سے زیادہ مقالات ان کی نعتیہ شاعری کے محاسن پر سپردِ قلم کیے جا چکے ہیں۔ راقم بھی اس قافلۂ عقیدت کا ایک ادنیٰ رکن ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رضاؔ بریلوی کی نعتیہ شاعری ایک سدا بہار اور ہمہ وقت تر و تازہ رہنے والا گلستاں ہے، جو ان شاء اللہ تعالیٰ صبحِ قیامت تک بہاروں سے خراجِ تحسین بلکہ جزیہ جاودانی لیتا رہے گا۔ کون سی ایسی خوبی ہے جو شعرِ رضاؔ میں نہیں۔ اربابِ فہم وبصیرت اور اعلیٰ شعری ذوق کے حامل ناقدینِ فن نے حضرت رضاؔ بریلوی کی شاعری کی جن خوبیوں اور محاسن کو اپنے تحقیقی مقالات، منثور و منظوم مضامین و تاثرات میں گزشتہ ۵۰؍ برسوں میں بیان کیا ہے ان کو اگر سمیٹ کر ایک گلدستہ بنا کر اہلِ ذوق حضرات کے سامنے پیش کیا جائے تو مجموعہ عطر کچھ یوں بنتا ہے: حسنِ تغزّل، جدّتِ تخیّل، پرشکوہ مضمون آفرینی، رعنائی خیال، ایمان آفریں فصاحت، دل آویز بلاغت، برجستگی و نشستِ الفاظ، روزمرہ ومحاورات کا برمحل جلوہ، سلاستِ زبان و زورِ بیان کی طمطراق کے ساتھ جلوہ نمائی، پاسِ شریعت اور ادب وآدابِ بارگاہِ الوہیت ورسالت کی انتہائی پاس داری، صنائعِ لفظی وصنائعِ معنوی کی زرق برق لباس میں صف بندی، عشق وعقیدت کی چٹکتی کہکشاں، محبت وارادت کے مہکتے پھول پتیاں، نئی نئی زمینوں پر خوب صورت ردیف وقوافی کی گل کاریاں، مصطلحاتِ علمی کی طرح دار جگ مگاتی پٹیاں......اور اگر ان سب کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے تو اس کا نام ”حدائقِ بخشش“ قرار پاتا ہے۔

غالبؔ جیسے عظیم شاعر نے مایوسی کے عالم میں اس تمنّا کا اظہار کیا تھا:

شہرتِ من بگیتی بعدِ من خواہد شدن

(کاش کہ میرے انتقال کے بعد میری شاعری کو شہرت مل جائے)

لیکن حضرت رضاؔ بریلوی کو مدینہ منورہ کے لالہ زار میں ایک ایسے وقت میں جب کہ وہ ایک جذب وشوق کے عالم میں قصیدۂ درودیہ کے اشعار پر:

کعبہ کے بدرالدجیٰ تم پہ کروروں درود　　طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروروں درود

پڑھ پڑھ کر وصفِ رخِ محبوب رب العلیٰ بیان کر رہے تھے، اپنے سرور اور مالک ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے شرف سے باریابی نصیب ہوئی اور یہ بشارت ملی کہ: اے رضاؔ ترے اشعار کو تیری دنیاوی زندگی ہی میں شہرتِ دوام ملے گی اور تو مملکتِ نعت گوئی کا وزیر اعظم بنے گا، اور تیرا نصیب مدامِ ترقی پر ہوگا اور آخر کار ملکِ سخن کی تاج وری بھی تیرے ہی سر ہوگی۔ چناں چہ شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور اذن پر عشقِ بے تاب کی زبان پر یہ شعر جاری ہوگیا:

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم　　جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

اور یہ تعلّی نہیں حقیقت ہے، یہ الہامی شعر ہے اور اس لفظ ”سخن“ میں علوم وفنون کی تمام فروع شامل ہیں جو انھیں بارگاہِ رسالت سے عطا ہوئے اور جن کو رضاؔ بریلوی نے اپنی نظم ونثر دونوں میں عارفانہ مہارت کے ساتھ برتا ہے۔ چناں چہ ان کی حیات میں ہی اللہ رب العزّت نے ان کی نعتیہ شاعری کو وہ شہرت و رفعت بخشی کہ گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضاؔ سے بوستاں۔ کسی نے کیا خوب کہا اور سچ کہا:

کل بھی رضا کی شاعری تھی حاصلِ حیات　　اب بھی اسی کے حسن سے ہے حسنِ شش جہات

امام احمد رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا درجِ ذیل شعر ان کی تمام نعتیہ شاعری کا عصرِ عصیر ہے، امتِ مسلمہ کے لیے ایک لائحۂ عمل بھی اور مستقبل کے شعرائے دربارِ رسالت کے لیے ایک پیغام بھی:

خاکِ درِ او باش رضاؔ تازِ کرامت　　خود بشنوی از در و دیوار درودے

حضرتِ رضاؔ بریلوی ۲۵؍ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو ”عشقِ رخِ شہ“ کا چراغ لیے اپنی قبرِ انور میں چلے گئے اور وہاں وظیفۂ درود وسلام کی لوری کے ساتھ تا صبحِ قیامت محوِ استراحت ہوگئے، لیکن آج بھی صاحبِ بصیرت ومعرفت کو حاضری کے وقت ان کے مزارِ پرانوار سے آتی یہ آواز سنائی دیتی ہے اور سینے میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لو کو تیز سے تیز تر کرتی ہے:

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا　　جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

ادھر عالمِ گیتی میں در و دیوار قصیدۂ درودیہ اور قصیدۂ سلامیہ کے نغمگیں اشعار سے گونج رہے ہیں:

کعبہ کے بدرالدجیٰ تم پہ کروروں درود　　طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروروں درود

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام　　شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

جہاں محققین وناقدینِ شعر وادب نے اپنے مضامین، مقالات اور پی۔ایچ۔ڈی تھیسس کے ذریعے شعرِ رضاؔ کے معانی ومحاسن سے ادبی وعلمی دنیا کو روشناس کرانے کی کاوش کی، وہیں احسن العلما حضرت مولانا سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں مارہروی علیہ الرحمہ نے اپنے خطبات، خطابات، مجلسی گفتگو اور روحانی تربیتی نشستوں کے ذریعے سہلِ ممتنع اور آسان روزمرّہ میں شعرِ رضاؔ کے ادق مضامین کو بیان کرنے کا فریضہ بہ طریقِ احسن انجام دیا۔ راقم کو بھی اس ضمن میں حضرت علیہ الرحمہ سے متعدد بار متمتع ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ حضرت سے پہلی ملاقات سیّدی مرشدی حضور مفتی اعظم علامہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری علیہ الرحمۃ

والرضوان کے چالیسویں پر ۱۹۸۱ء میں ہوئی، احقر حضرت مولانا ریحان رضا رحمانی میاں اور حضرت مولانا مصلح الدین قادری رضوی علیہما الرحمہ کے ساتھ بہ ذریعہ کار مارہرہ شریف پہنچا تھا۔ وہاں سے حضرت احسن العلما علیہ الرحمہ کو لے کر بریلی شریف واپس آئے تھے۔ مارہرہ شریف میں جب ہم لوگ خانقاہ شریف کی مسجد میں نماز پڑھ کر باہر آئے تو حضرت احسن العلما نے فقیر کے جدّ امجد حضرت علامہ مولانا سید ہدایت رسول قادری نوری لکھنوی علیہ الرحمہ کا ایک ایمان افروز واقعہ سنایا، جو اس سے قبل میرے علم میں نہیں تھا۔

انھوں نے فرمایا کہ ایک مولوی صاحب (جن کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں) نے مسجد کے اندر اذانِ ثانی کے مسئلے پر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمہ کی شان میں چند نازیبا الفاظ کہے۔ غالباً عصر کی نماز کا وقت تھا۔ اس وقت جدِّ امجد ان مولوی صاحب سے کچھ نہ بولے، لیکن جماعت ختم ہونے کے بعد جیسے ہی وہ مولوی صاحب مسجد کی سیڑھی اترنے کے لیے باہر آئے تو سیف اللہ المسلول حضرت مولانا ہدایت رسول علیہ الرحمہ نے ایک زوردار تھپڑ مولوی صاحب کو رسید کیا جس سے وہ لڑکھڑا کر گر گئے۔ آپ نے فرمایا تو میرے اعلیٰ حضرت کی شان میں گستاخی کرتا ہے اگر اب مزید ایک لفظ بھی کہا تو مسجد کی سیڑھیوں سے نیچے پھینک دوں گا۔ لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے مولوی صاحب کی جان چھڑائی وہ پھر اپنے شہر کو بھاگ لیے۔

حضرت احسن العلما جب بھی تشریف لاتے تو فقیر ان سے ملاقات کرتا۔ حضرت علامہ مولانا مصلح الدین صدیقی قادری رضوی علیہ الرحمہ کی مسجد میں اکثر ملاقات ہوتی جہاں حضرت احسن العلما دورانِ قیامِ کراچی جمعہ پڑھاتے تھے۔ ماہرِ رضویات مسعودِ ملّت قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری نقش بندی علیہ الرحمہ کے دولت کدے پر بھی ایک یا دو بار باریابی ہوئی، ایک نشست میں شیخ الحدیث اور میرے شیخ مجاز حضرت مولانا تقدس علی خاں صاحب علیہ الرحمہ بھی ساتھ تھے اور موضوع اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے بعض مشکل اشعار کی تشریح و تفسیر تھا۔ ایک بار اور غالباً آخری بار، حضرت علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمہ کے کاشانے پر ملاقات ہوئی۔ سید ریاست علی قادری علیہ الرحمہ، بانی و صدر اوّل ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا بھی اس نشست میں ساتھ تھے اور موضوع اعلیٰ حضرت کے وہ اشعار تھے جن میں مشکل تراکیب یا مصطلحاتِ علمی کا استعمال تھا۔ راقم کے خیال میں ان میں بعض اشعار کی تشریح علامہ شمس بریلوی صاحب نے ایک مضمون کی شکل میں پیش کی تھی جو معارفِ رضا سال نامہ میں شایع ہو چکا ہے۔ حضرت علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمہ نے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے جتنے اشعار کی تشریح پر مضامین تحریر کیے ہیں ان میں سے پچاس فی صد وہ اشعار ہیں جن کی نشان دہی حضرت احسن العلما نے فرمائی تھی۔ بعض اشعار کی نشان دہی حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری اور مولانا سید ریاست علی قادری علیہما الرحمہ اور راقم کی تھی۔ ان نشستوں میں راقم نے دیکھا کہ حضرت احسن العلما شعرِ رضا میں پنہاں خوبیوں اور باریکیوں سے صرف واقف ہی نہیں، بلکہ وہ مزاج شناسِ رضا بھی تھے۔ یہی ان کا وہ وصف ہے جو ان کو دیگر شارحین شعرِ رضا سے ممتاز کرتا ہے۔

جناب غلام مصطفیٰ رضوی (مالیگاؤں) کی یہ کاوش لائق تحسین ہے کہ انھوں نے حضرت احسن

العلما کی حیات و علمی خدمات کے اس پہلو کو ”شارحِ شعرِ رضا“ پہلی بار مضمون کی صورت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ جناب غلام مصطفیٰ رضوی صاحب گزشتہ (تقریباً) دس برسوں سے ”رضویات“ کے حوالے سے لکھ رہے ہیں۔ اب ان کی تحریروں میں نکھار آتا جا رہا ہے۔ زود نویسی کے ساتھ ”تحقیقی مزاج“ اپنا رہے ہیں۔ شستگی اور شگفتگی کے ساتھ ان کی تحریر میں ”پختگی“ کا عنصر بھی نمایاں ہو رہا ہے۔ زیرِ نظر موضوع پر ان کا مضمون ”نقشِ اوّل“ ہونے کی بنا پر ایک قابل ستائش قدم ہے، لیکن قاری کو اس مضمون کے مطالعے کے بعد تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ نمونتاً مزید ۸/۱۰/ اشعار کی شرح شامل کرنی چاہیے تھی۔ پیش کیے گئے اشعار کی تشریح میں کچھ زیادہ ہی اختصار برتا گیا ہے، اسے مزید پھیلانے کی ضرورت تھی۔ اس کے باوجود یہ ایک مستحسن کام ہوا ہے اور جناب غلام مصطفیٰ رضوی اور ”نوری مشن“ مالیگاؤں کے اراکین قابل مبارک باد ہیں۔ فروغِ رضویات کے حوالے سے یہ ادارہ ہندستان میں نمایاں خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس دورِ پرفتن میں یہ ایک قابل تحسین عمل ہے۔ خود صاحبِ مضمون کے رضویات کے حوالے سے بیسیوں مضمون ادارۂ ھٰذا کی جانب سے اب تک کتابی صورت میں شایع ہو چکے ہیں۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ ادارۂ مذکورہ اب تک ۵۰ رکے لگ بھگ رضویات کے موضوعات پر کتابیں شایع کر چکا ہے، جو ہزاروں کی تعداد میں اہلِ علم اور صاحبِ قلم حلقوں میں (عالمی پیمانے پر) بلا قیمت تقسیم کی جا چکی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جناب غلام مصطفیٰ رضوی (مالیگاؤں) ادارہ نوری مشن اور اس کے اراکین، متوسلین و معاونین کو استقامت اور جزائے خیر عطا فرمائے اور غیب سے ان کے لیے افرادی اور مالی وسائل مہیا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

احسن العلما حضرت سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں علیہ الرحمہ کی مرقدِ انور پر اللہ تعالیٰ ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے (آمین) دل نشیں شخصیت کے ساتھ شیریں سخنی کم لوگوں کے حصّے میں آتی ہے۔ افسوس کہ اب ایسی ہستیاں نایاب ہیں:

سخن میں سوز بھی تھا ساز بھی محبت بھی
سخن میں فیض بھی الفت بھی تھی شرافت بھی

یہ امر قابل اطمینان ہے کہ ان کے صاحب زادۂ ذی وقار، شہ سوارِ میدانِ صفوت و صفا، علم بردارِ شریعت، رہ برِ طریقت، مسند نشین ایوانِ علم و دانش، سریر آرائے منبرِ معرفت و حقیقت حضرت مولانا ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے والد ماجد احسن العلما نور اللہ مرقدہٗ کے نقشِ قدم کو چراغِ راہ بنایا ہے اور علم و عرفان کے کارواں کی بدرجۂ احسن صحیح سمت رہ نمائی اور ملکی اور عالمی سطح پر دانش کدۂ رضویات کی سرپرستی فرما رہے ہیں:

کرتا ہوں ختمِ سخن اپنی دعا پر رازیؔ
چھوٹے مجھ سے نہ کبھی دامن اعلیٰ حضرت

اللہ تعالیٰ تا دیر ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے۔ آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

انیسویں صدی کا اختتام امت مسلمہ کے لیے بڑے چیلنجز لے کر آیا۔ ایمان وعقیدہ اور تہذیب و تمدن پر مخالفین اسلام کی نظر بدلگی ہوئی تھی، اندرونی و بیرونی ہر دو سطح پر اسلام کے گلستاں کو اجاڑنے کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ ایسے حالات میں سب سے زیادہ ناموس وعظمت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نشانہ بنایا جارہا تھا۔ دراصل صدیوں تک اسلامی تاریخ وتہذیب، اسبابِ عروج، تمدن وسیاست کے مطالعے کے بعد یورپ کے عالی دماغوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ امت مسلمہ کی کامیابی کا راز ان کی اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت اور عشق ہے، جب تک مسلمان اپنی اس متاعِ عظیم کو سنبھال کر رکھے رہیں گے انھیں کوئی پسپا نہیں کر سکتا، اول یہی کیا گیا کہ عشق نبوی کی دولت دلوں سے نکالنے کے لیے فتنے پیدا کیے گئے، خارجی طور پر پادریوں، پنڈتوں، آریہ پیشواؤں اور دوسرے اسلام دشمن عناصر سے اہانت رسالت کروائی گئی، جب دیکھا کہ خارجی حملے کارگر نہیں ہورہے تو کئی فتنے داخلی طور پر تیار کیے گئے، ناموس رسالت میں توہین سے مملو کتابیں لکھوائی اور چھاپی گئیں...... بلا مقصد کوئی کام نہیں کیا جاتا...... ایسی اہانت آمیز کتابوں کی تصنیف کے پیچھے بھی کوئی مقصد تھا اور ان کتابوں سے امت مسلمہ میں انتشار کی بنیاد پڑی...... ان میں جو توہین نبی کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھی گئی وہ بھی منظم ومربوط سازش کے تحت ہی ہے...... ورنہ کوئی اور بھی موضوع چھیڑا جاسکتا تھا...... لیکن! جب دلوں کی دنیا ویران کرنی ہو اور فکروں کو بانجھ بنانا ہو تو صرف ناموس رسالت پر حملہ ہی کافی ہے...... اسی لیے اقبالؔ نے کہا تھا کہ:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

اور اقبالؔ سے کافی پہلے امام احمد رضاؔ نے متاع عشق نبوی علیہ الصلاۃ والسلام کو یوں سنبھال کر رکھنے کی تعلیم ازبر کروائی تھی:

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا جس کو ہو درد کا مزا نازِ دوا اٹھائے کیوں

امام احمد رضا کی زندگی کا مقصد اشاعت دین اور تبلیغ اسلام تھا۔ ایمان جبھی کامل ہوگا جب رسول انام علیہ التحیۃ والثنا کی محبت واحترام کا نقش دلوں پر ثبت ہوجائے۔ امام احمد رضا نے عظمت رسالت اور تعظیم و احترام کے موضوع پر جو کچھ علمی وتحقیقی کام کیا، ان ذخائر سے استفادہ کرنے والا یقینی طور پر عشق نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جذبۂ صادق سے شاد کام ہوجاتا ہے۔ اسی جذبۂ صالح کے تحت آپ نے شعر گوئی کی، تصنیف و تالیف کا ذخیرہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

موجودہ عہد میں اربابِ علم وادب نے جہاں امام احمد رضا کی تفسیری وفقہی خدمات پر علمی کام انجام دیے وہیں آپ کی شعری وادبی بصیرت پر بھی روشنی ڈالی، جب کہ دنیا کی درجنوں یونی ورسٹیوں میں آپ پر جو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں لی گئیں ان میں زیادہ تر مقالے ''شعروادب'' کے حوالے سے لکھے گئے۔ ان سب کے باوجود ابھی بہت کام باقی ہے۔ بہت سے جلوے ہیں جو اب بھی پوشیدہ ہیں۔ اربابِ علم کی تحقیق کے منتظر ہیں۔

کلام رضاؔ پر مختلف انداز میں تشریح وتفہیم کا کام انجام دیا گیا ہے۔ جن میں مشہور ادیب ومترجم علامہ شمس بریلوی (م ۱۹۹۷ء)، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (م ۲۰۱۱ء)، مولانا فیض احمد اویسی (م ۲۰۱۰ء)، صوفی اول رضوی، مولانا عبدالستار ہمدانی، مفتی محمد خان قادری، ڈاکٹر فضل الرحمٰن شررؔ مصباحی وغیرہم نے مقالات و مستقل کتابیں تالیف فرمائیں۔ شارح کلام رضاؔ کی حیثیت سے ایک اور معتبر نام شارح رضویات، حافظ حدائق بخشش حضور احسن العلما مولانا سید مصطفیٰ حیدر حسنؔ میاں مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء) کا ہے۔ اس تحریر میں احسن العلما کی اسی خصوصیت کے حوالے سے اختصار میں روشنی ڈالی جائے گی۔

شارح رضویات حضرت احسن العلما:

سرزمین ہندستان پر اسلام کی اشاعت وتبلیغ کا مقدس فریضہ زیادہ تر خانقاہوں نے انجام دیا۔ حضرت داتا گنج بخش ہجویری لاہوری، خواجہ غریب نواز سے لے کر حضور احسن العلما مارہروی تک اولیاے کرام اور خانقاہی بزرگوں کا ایک سلسلہ ہے جن کی دینی واصلاحی اور فکری خدمات نے ذہن وفکر میں خوش گوار انقلاب برپا کر کے ایمان کو تازگی عطا کی۔ اس خصوص میں خانقاہ برکاتیہ کا کردار بڑا نمایاں رہا ہے۔ اس خانقاہ سے وابستہ اولیا وعلما نے خدمت علم دین کے سلسلے میں تصنیف وتالیف اور ہدایت وارشاد ہر دو طرح سے کام لے کر ظاہر وباطن دونوں کی آراستگی کا سامان کیا۔ صدیوں پر پھیلی ہوئی خانقاہ برکاتیہ کی خدمات کا تجزیہ کیا جائے تو ڈاکٹریٹ لیول کا مقالہ تیار ہوجائے۔

احسن العلما اسی خانقاہ کے پروردہ تھے۔ حضرت احسن العلما کی ولادت ۱۰ رشعبان ۱۳۴۵ھ/ ۱۳ رفروری ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔ آپ امام احمد رضا محدث بریلوی کے مرشدان کرام کے سادات گھرانے کے چشم وچراغ تھے۔ والد محترم حضرت سید شاہ آل عبا بشیر حیدر قادری (م ۱۹۸۶ء) عظیم صوفی، عالم، ماہر لسانیات، نقاد اور ماہر علوم جدیدہ تھے۔ ۱۴ رماہ کی عمر میں آپ کے نانا حضرت سید اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی (م ۱۳۴۷ھ) نے بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ تربیت میں والد ماجد کے علاوہ حضرت تاج العلما مولانا سید اولاد رسول محمد میاں مارہروی (م ۱۳۷۵ھ) نے اہم رول ادا کیا نیز آپ نے خلافت و اجازت بھی دی اور اپنی سجادگی بھی۔ احسن العلما کے اساتذہ سے متعلق ان کے صاحب زادۂ گرامی مشہور فکشن نگار

سیدمحمد اشرف مارہروی (انکم ٹیکس کمشنر دہلی) لکھتے ہیں:

''ان کے اساتذۂ کرام میں حضور تاج العلما، حضرت شیخ العلما مولانا غلام جیلانی علیہ الرحمہ گھوسوی، مفتی سندھ خلیل العلما حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قادری برکاتی، حضرت شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی صاحب علیہم الرحمہ جیسے نامی گرامی اساتذۂ کرام تھے۔ اردو کے استاد منشی سعید الدین صاحب تھے۔ انگریزی کے کچھ سبق قبلہ ماسٹر سمیع الدین صاحب مدظلہ سے پڑھے.........قرآن عظیم کے درس کے اساتذہ میں والدہ محترمہ حضرت سیدہ شہر بانو رحمۃ اللہ علیہا اور حافظ سلام الدین اور حافظ عبدالرحمٰن عرف حافظ کلو رحمۃ اللہ علیہم تھے۔''(۱)

احسن العلما نے خانقاہ برکاتیہ کی علمی و روحانی روایات کو فروغ دیا۔ تصنیف و اشاعت کا کام بھی کیا اور مسند درس و تدریس کو بھی زینت بخشی۔ آپ کے ذریعے سلسلۂ قادریہ برکاتیہ کی عظیم پیمانے پر اشاعت ہوئی۔ اہل سنت کی اشاعت کے لیے آپ کا ذہن بڑا متحرک وفعال تھا۔ ان سب خوبیوں پر مستزاد یہ کہ آپ نے اپنے عہد میں اہل سنت کی خانقاہی قیادت بھی خوب نبھائی۔ آپ پیکر علم و دانش تھے۔ شعری و ادبی بصیرت سے مالا مال تھے۔ خطابت کی بزم کے مہر درخشاں تھے۔ شارح کلام رضا تھے۔ عموماً آپ اپنی خطابت کے ذریعے اشعار رضا کی تشریح نہایت آسان و سلیس انداز میں فرماتے۔ اس لحاظ سے آپ کے افادات عالیہ، ارشادات وخطبات کو تحریری شکل دے دی جائے تو کلام رضا کی تشریح وتفہیم پر ایک اہم ذخیرہ تیار ہو جائے۔ اس سمت کسی قدر پیش رفت ہوئی ہے اور بعض تقریریں تحریری شکل میں خانقاہ برکاتیہ کے سال نامہ ''اہل سنت کی آواز'' کے مختلف شماروں میں شایع بھی ہوئیں۔(۲)

امام احمد رضا سے محبت والفت:

یہ اللہ کریم کی شان ہے کہ دین متین کی حفاظت وصیانت کے لیے وہ اپنے مخصوص بندوں کو پیدا فرماتا ہے۔ ان سے تجدید جیسا اہم کام لیتا ہے۔ مجدد دین اسلام کا ایک طویل سلسلہ ہے جن کی خدمات سے اسلامی تاریخ کے صفحات جگ مگا رہے ہیں۔ امام احمد رضا نے بفضل الٰہی سے دین کے مقابل پیدا شدہ فتنوں کا سد باب کیا، آپ کا کارِ تجدید بہت سی جہات کو پھیلا ہوا ہے۔ آپ کے عہد میں اسلامی تہذیب وتمدن کو مسلسل نشانہ بنایا جا رہا تھا، عقائد میں بگاڑ کے لیے انگریز کے زیر اثر اندرونی سازشیں الگ بپا تھیں۔ ہر محاذ پر امام احمد رضا نے اسلام کی حفاظت کی یہی وہ اسباب تھے جن کی بنیاد پر امام احمد رضا کے پیر خانہ (خاندان برکات) نے آپ کے مبارک مشن کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ اور آج بھی خانوادۂ برکاتیہ اسی پر گام زن ہے۔

مجدد برکاتیت حضرت میر ابو القاسم اسماعیل حسن شاہ جی میاں سے لے کر احسن العلما تک تمام اکابر مارہرہ کی سوانح حیات کی ورق گردانی کر لیجیے۔ مسلکِ رضا، فکر رضا، مشن رضا، یادِ رضا اور ذکرِ رضا کی فصلِ بہار

آراستہ نظر آئے گی۔ ہر جہت سے اکابر مارہرہ نے تعلیمات وافکار رضا کی اشاعت کی ہے۔ احسن العلما کا مشن ہی فکر رضا کی ترویج واشاعت تھا۔ جانشین احسن العلما حضرت امین ملت ڈاکٹر سید امین میاں قادری (سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ) فرماتے ہیں:

''حقیقت ومعرفت کی شمع بظاہر خاموش ہے مگر ان کا مشن زندہ ہے۔ ان کا مشن ہے ایک نکاتی پروگرام اسلام وسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت، اس ایک جملے میں گویا سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہے۔''(۳)

اس تناظر میں صاحب زادۂ احسن العلما حضرت شرف ملت سید محمد اشرف میاں مارہروی فرماتے ہیں:

قبل از وصال بھی وہ بیٹوں سے کہہ رہے تھے — احمد رضا سے جو تھی الفت حسن میاں کی

حضرت اشرف میاں احسن العلما کی عشق والفت اور محبت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں وارفتگی کے تناظر میں لکھتے ہیں: ''اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے حضور احسن العلما کو جو ایک مخصوص والہانہ محبت تھی، وہ بھی غالباً عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دین تھی۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی اساس الفت رسول اور عظمت نبی پر قائم ہے، اسی لیے تو احسن العلما علیہ الرحمہ نے وقت آخر سے دو تین دن پہلے اپنے بچوں کو جو وصیت کی وہ یہ کہ:

''مسلک اعلیٰ حضرت پر مضبوطی سے ڈٹے رہنا۔ میرا جو مرید اس مسلک سے ہٹ جائے، میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔''

وہ مسلک اعلیٰ حضرت کو عشق رسول، عظمتِ نبی اور اپنے بزرگوں کے اقوال سے جدا نہیں جانتے تھے۔''(۴)

اعلیٰ حضرت سے انسیت اور قلبی تعلق پر حضرت اشرف میاں کا یہ بیان پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے:

''شاعروں میں انھیں سب سے زیادہ کلام امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا یاد تھا۔ ان کا شعر سناتے وقت فرماتے: ''سنو! میرے اعلیٰ حضرت کیا فرماتے ہیں''۔ یہ کہہ کر وہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا کوئی شعر سناتے۔ کبھی کبھی یوں بھی فرماتے: ''سنو! بریلی والا کیا کہہ رہا ہے۔'' اور یہ کہہ کر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا شعر سناتے۔ اعلیٰ حضرت سے انھیں عشق کی حد تک محبت تھی اور اس کا اظہار وہ خلوت وجلوت، ظاہر و باطن، گفتگو و وعظ غرض یہ کہ ہر مقام پر کرتے تھے۔ اپنے مریدوں کے درمیان بھی اور دوسروں کے درمیان بھی۔ وہ اعلیٰ حضرت کا ذکر ضرورتاً نہیں عادتاً کرتے تھے اور عادتاً بھی نہیں محبتاً کرتے تھے اور محبت پر کسی کا اجارہ نہیں۔ اعلیٰ حضرت کا نام لینے سے پہلے ''چشم و چراغ خاندان برکات'' کا لقب اکثر استعمال فرماتے۔''(۵)

احسن العلما نے اپنی ایک منقبت میں امام احمد رضا کی شان اور آن بان کو جس انداز میں خراج عقیدت پیش فرمایا ہے وہ دیکھنے، پڑھنے اور محسوس کرنے سے تعلق رکھتا ہے، چند اشعار ملاحظہ کریں اور محبت رضا

کی تپش کو اور تیز کریں:

چہرۂ زیبا ترا احمد رضا　　آئینہ ہے حق نما احمد رضا
علم تیرا بحرِ ناپیدا کنار　　ظل علم مرتضیٰ احمد رضا
تیرے مرشد حضرت آلِ رسول　　ان کو تجھ پہ ناز تھا احمد رضا
اپنے برکاتی گھرانے کا چراغ　　تجھ کو نوری نے کہا احمد رضا
سُنیت کی آبرو دم سے ترے　　اب بھی قائم ہے شہا احمد رضا
تیری اُلفت میرے مرشد نے مجھے　　دی ہے گھٹی میں پلا احمد رضا

اس منقبت میں مارہرہ و بریلی کے اٹوٹ رشتے پر روشنی پڑتی ہے ساتھ ہی کار رضا کا جو نقشہ سامنے آتا ہے اس کے آئینے میں فیضانِ مارہرہ کی وہ جھلک دکھائی پڑتی ہے جس سے امام احمد رضا کی عظمتوں کی قندیل مزید فروزاں ہو جاتی ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کو اپنے پیر خانہ مارہرہ شریف سے بڑی محبت و عقیدت تھی، اور قلبی تعلق تھا، اس کے جلوے تصانیف رضا میں جگہ جگہ نمایاں نظر آتے ہیں، مکاتیب رضا میں بھی الفت مارہرہ جلوہ گر ہے، اور حدائق بخشش میں تو حضرت غوث اعظم کے بعد سب سے زیادہ منقبت کے اشعار اکابر مارہرہ کی شان میں ہی نظم ہوئے ہیں۔ کلام رضاؔ پر جو فیضِ نوریؔ مارہروی ہے اس کا ذکر کیسے اچھوتے انداز میں فرماتے ہیں:

اے رضاؔ یہ احمد نوری کا فیضِ نور ہے　　ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

بہر حال خانقاہ برکاتیہ کی مدح میں نثر و نظم رضاؔ کے حوالے سے اگر گفتگو کی جائے تو کثیر صفحات پُر ہو جائیں اور کیفیت یہ ہو ع

سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

شارحِ کلامِ رضاؔ:

حضرت احسن العلما کی شخصیت بڑی ہمہ جہت اور تہ دار تھی۔ نثر و نظم دونوں میں مہارت رکھتے تھے، ادبی ذوق تھا ہی، خانقاہی مزاج بھی اس میں معاون ہوا۔ اس کے نتیجے میں آپ کے مواعظ و ارشادات میں بھی چاشنی عود کر آئی۔ تقریر کا اسلوب بڑا سادہ، عام فہم اور رواں دواں تھا، ایک مشفق استاذ کی طرح بات سمجھا دینا احسن العلما کے خطاب کی خوبی تھی۔ فکر رضا کی اشاعت آپ کے خطاب کا اہم پہلو ہے۔

اشعار رضاؔ کی تشریح کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ احسن العلما کے پیش نظر چوں کہ دینی فکر و بصیرت کی اشاعت تھی، اسی لیے آپ کی تشریحات اسی نقطۂ نظر سے دیکھی جانی چاہیے۔ گرچہ ان تشریحات میں ادبی خصوصیات، فنی مباحث پر بھی ضمناً روشنی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم مارہروی لکھتے ہیں:

”شعر فہمی ان کا (احسن العلما کا) خاصا تھا۔ اور کلامِ امام اہل سنت (علیہ الرحمۃ والرضوان) کی تشریح میں تو انھیں ملکہ حاصل تھا۔ شاید ایک طویل مضمون تو اسی پر لکھا جا سکتا ہے کہ انھوں نے کلام امام اہل سنت کی شرح کس طرح بیان کی ہے۔“(٦)

احسن العلما کی بصیرت و دانش ایسی تھی کہ وہ کلام رضا پر اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے، کلام کے داخلی و خارجی محاسن، ادبی در و بست، فکری پیغام اور شوکتِ الفاظ و سلاست زبان و بیان سبھی پہلوؤں پر آپ کی نظر تھی، صاحب زادۂ احسن العلما حضرت اشرف میاں فرماتے ہیں:

”اعلیٰ حضرت اور ان کی دینی خدمات پر، ان کی کتابوں اور ان کتابوں میں بیان کردہ مضامین پر اور اعلیٰ حضرت کی شاعری پر انھیں اتھارٹی کا درجہ حاصل تھا۔ دور دور سے اسکالر آتے اور ان سے چند گھنٹے گفتگو کرتے......، سیر ہو کر واپس جاتے اور اپنے مقالوں کا وزن بڑھاتے۔ ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم، سابق چیئرمین شعبۂ تاریخ جامعہ ملیہ نے حضور احسن العلما کو ماہر رضویات ہی نہیں ”شارح رضویات“ بھی کہا ہے۔“ (اہل سنت کی آواز ۱۹۹۵ء کا اداریہ) اور بالکل صحیح کہا ہے۔“(٧)

احسن العلما نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے اشعار کے توسط سے اللہ کریم کی عظمت، شانِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، عشق و محبت نبوی، عظمت اولیا کے نقوش دلوں میں بٹھائے ہیں۔ امام احمد رضا نے اپنی نعت گوئی قرآن مقدس کے آئینے میں کی جس کا اظہار اس شعر میں فرمایا ہے:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی　　یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

اسی لیے ہر ہر شعر میں قرآنی فکر عطر بیز ہے، اور اپنے کلام کے توسط سے ایمان کو تازگی فراہم کر دیتے ہیں۔ احسن العلما کی تشریحات کا تجزیہ بھی یہ واضح کرتا ہے کہ اشعار رضاؔ کی تفہیم کے لیے احسن العلما، قرآن مقدس، احادیث طیبہ اور روایات اسلاف کی نہایت عمدہ وضاحت فرماتے ہیں جن سے دینی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اشعار رضاؔ کا مفہوم کم پڑھا لکھا شخص بھی نہایت آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔

تلفظ اور احتیاط:

امام احمد رضا نے اپنے کلام کے توسط سے بہت سے متروک لفظوں میں نئی جان ڈال دی ہے۔ ادبی دقایق کی گرہیں کھولی ہیں، نکتہ سنجی نے مفہوم کو وسعت عطا کر دی ہے، فنی فضا بڑی نکھری نظر آتی ہے ہمارے امام کے کلام میں، آپ کا ادبی و لسانی رخ سے یہ کارنامہ ہے کہ اردو زبان کو تاثیر بیان عطا کی ہے۔ نئے لب و لہجے سے آشنائی بخشی، غنائیت و نغمگی عطا کی، یہی سبب ہے کہ سخن داں و سخن ساز جب اشعار رضاؔ کا مطالعہ کرتے ہیں تو امام احمد رضا کے منفرد ادبی مقام کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہتے۔ اشعار رضاؔ کو درست تلفظ کے ساتھ پڑھنا بھی اہل علم ہی کا خاصہ ہے۔ احسن العلما چوں کہ شارح کلام رضاؔ تھے اس لیے آپ کلام رضاؔ کے

تلفظ کا بھی خاص خیال رکھتے، اگر کوئی تلفظ میں غلطی کرتا تو ایک مشفق استاذ کی حیثیت سے اصلاح فرماتے یوں ہی کلام میں حزم واحتیاط کا لحاظ رکھتے۔ امام احمد رضا کے مشہور قصیدہ کا شعر ہے:

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

اس ضمن میں مذکورہ پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت اشرف میاں تحریر فرماتے ہیں:
یہ قصیدہ تو وہ بہت ہی استغراق اور وجد کے عالم میں پڑھتے اور اس میں استعمال شدہ صفتوں کی تشریح ایسے دل کش انداز میں فرماتے کہ ہم بچوں کے ذہن میں بھی بات نقش ہو جاتی۔ اعلیٰ حضرت کا شعر اگر کوئی غلط پڑھتا تو نرم انداز میں ضرور ٹوک دیتے، اکثر فرماتے: ’’حدائق بخشش سمجھنا تو الگ، پڑھنا بھی ہر ایرے غیرے کے بس کی بات نہیں ہے‘‘ اس غلام قادری راقم الحروف نے بھی یہ قطعہ اپنے والد معظم کی اسی بات کی یاد کی چھاؤں میں بیٹھ کر لکھا ہے۔ (یہ قطعہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے حاسدین و مخالفین کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے۔):

منارِ قصرِ رضا تو بلند کافی ہے — تم اس کے پہلے ہی زینے پہ چڑھ کے دکھلا دو
فتاویٰ رضویہ تو اک کرامت ہے — ذرا حدائق بخشش ہی پڑھ کے دکھلا دو (۸)

اور بلاشبہہ یہ احسن العلما جیسے علما کا ہی وصف ہے کہ وہ ’’حدائق بخشش‘‘ کی تفہیم کے ساتھ ہی اس کی شرح کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں۔

تشریحات کے چند نمونے:

احسن العلما کے خطبات سے بعض اشعار رضا کی تشریح و توضیح کے چند نمونے ہم یہاں پیش کرتے ہیں، قارئین دیکھیں کہ کس طرح سادہ و دل کش انداز میں وضاحت و صراحت فرماتے ہیں کہ ہر شعر مفہوم و مطلب کے ساتھ حاشیۂ ذہن پر محفوظ ہو جاتا ہے اور تشریح سمجھ لینے کے بعد جو لطف ملتا ہے اسے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ان تشریحات کو پڑھتے وقت یہ بات ذہن میں رہے کہ حضرت احسن العلما ہر جمعہ نماز سے قبل مسجد برکاتی مارہرہ شریف میں خطاب فرمایا کرتے تھے، جس میں سامعین کی استعداد کے پیش نظر گفتگو فرماتے، اور ذہن نشین کرانے کی غرض سے سامعین سے سوال بھی کرتے، انھیں خطبات سے اشعار کی تشریح والے اقتباس اختصار کے ساتھ اپنے موقف کی دلیل میں ہم پیش کیے دیتے ہیں۔

نمونۂ اول:

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایے کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

احسن العلما فرماتے ہیں: ’’وہ (آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) خود نورِ مطلق کا سایہ ہیں۔ نورِ مطلق کون؟ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ، اس کا سایۂ رحمت آپ بن کر تشریف لائے ہیں، تو ہم روز دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ہم چلتے ہیں، اٹھتے ہیں، بیٹھتے ہیں، پھرتے ہیں تو ہمارا سایہ پڑتا ہے، لیکن کبھی آپ نے سایے کا بھی سایہ دیکھا ہے؟ پرچھائیں کی پرچھائیں دیکھی ہے؟ اللہ اکبر! تو یہ تو سایۂ رحمت بن کر تشریف لائے ہیں۔ دوسری بات اور فرمائی علما نے، ایک اور نکتہ بیان فرمایا انھوں نے، کہا دیکھو ایسا ہے کہ جس جگہ آدمی کی پرچھائیں پڑتی ہے اتنی جگہ میں کیا ہوتا ہے؟ (سامعین: اندھیرا ہوتا ہے) اجالا تو نہیں ہوتا ہے نا؟ (سامعین: نہیں) اندھیرا ہوتا ہے۔ اور ان کے یہاں تو اندھیرے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کفر و شرک سب سے بڑا اندھیرا ہے۔ ان کی (آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی) ایک نظر رحمت اٹھ جائے، تو عمر کے بڑے حصے جن کے بیت جاتے ہیں کفر کرتے کرتے لیکن ایک نظر رحمت اٹھی نہیں اور پھر معلوم نہیں کیا سے کیا بن جاتے ہیں۔ (یعنی دل کی دنیا ایمان کے نور سے منور ہو جاتی ہے) اللہ اکبر۔‘‘ (۹)

تبصرہ: نورانیت مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موضوع پر امام احمد رضا کے شعر کی کیسی عمدہ وضاحت کی، آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا بے سایہ ہونا آپ کے فضائل سے ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں: ’’اب نہ رہے مگر وہ لوگ جنھیں طولِ صحبت روزی ہوا اور حضور کو آفتاب یا ماہ تاب یا چراغ کی روشنی میں ایسی حالت میں دیکھا کہ مجمع بھی کم تھا اور موقع سایہ پر بالقصد نظر بھی کی اور ادراک کیا کہ جسم انور ہم سائگی سایہ سے دور ہے۔‘‘ (۱۰)

نمونۂ دوم:

تم سے خدا کا ظہور اس سے تمہارا ظہور
لِم ہے یہ وہ اِن ہوا تم پہ کروروں درود

احسن العلما فرماتے ہیں: ’’اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ع
تم سے خدا کا ظہور اس سے تمہارا ظہور

لوگوں کی پیشانیوں پر سلوٹیں پڑ جاتی ہیں اعلیٰ حضرت کا نام سن کر لیکن سنی مسلمان کے ماتھے پر سلوٹ نہیں پڑ سکتی، اس کا چہرہ تو پھول کی طرح کھل جائے گا۔ دیکھو میں اتنی دیر سے ان کی (اعلیٰ حضرت کی) نعت پڑھ رہا ہوں لیکن کیا کروں مجبور ہوں، اللہ اکبر! کوئی چیز چھوڑی ہی نہیں ہے اعلیٰ حضرت نے بیان فرمانے سے، فرماتے ہیں:

تم سے خدا کا ظہور اس سے تمہارا ظہور — لِم ہے یہ وہ اِن ہوا تم پہ کروروں درود

اب میں تمھیں اس کے معنی بتا دوں، تم سے خدا کا ظہور، یہ مصرع بہت صاف ہے۔ تم سے خدا کا

ظہور اس سے تمہارا ظہور، لَم ہے یہ وہ اِن ہوا تم پہ کروروں درود، تو یہ لَم اور اِن کیا ہے؟ حافظ صاحب (حافظ شریف برکاتی) بھی پوچھ رہے ہیں مجھ سے کہ یہ کیا دو لفظ، لَم لام میم اور یہ الف نون اِن کیا ہے؟ یہ لَم اور اِن کیا؟ میں بتاؤں آپ کو کہ منطق میں دو دلیلیں بہت مشہور ہیں: ایک ''دلیل لِمی'' کہلاتی ہے، اور ایک ''دلیل اِنی'' کہلاتی ہے۔ آپ کہیں گے پھر وہی بات کہ دلیل لِمی اور دلیل اِنی۔ ہاں! وہی بات سنو، دلیل کے معنی ہیں کھلی ہوئی روشنی، جو حق چیز کو چمکا دے، جو اس کا مدلول ہے جس کے لیے وہ لائی گئی ہے اس کو بالکل صاف صاف بیان کر دے۔ جیسے آپ سب میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں آپ کے کان بھی دیکھ رہا ہوں، ناک بھی دیکھ رہا ہوں، ایسے ہی آپ میرے دیکھ رہے ہیں۔ پیٹھ البتہ آپ کی مجھ سے پوشیدہ ہے تو آپ کی بھی نظر سے میری پیٹھ پوشیدہ ہے۔ ادھر کی طرف ہے۔ تو دلیل اِنی کہتے ہیں اس کو کہ دلیل سے مدلول پر روشنی پڑے۔ اور دلیل لِمی کہتے ہیں کہ مدلول سے دلیل پر روشنی پڑے۔ آ گئی بات سمجھ میں؟ اچھا ابھی نہیں آئی تو اب سنو میں مثال دے کر بتاتا ہوں، مثلاً آپ نے کہا ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود کہ سورج چمک رہا ہے تو دن موجود ہے۔ بولو بھائی اب آئی سمجھ میں۔ وہ تو عربی کا جملہ تھا نہیں سمجھ میں آیا ہوگا۔ ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود اگر سورج موجود ہے، بولو بھائی اس وقت سورج موجود ہے کہ نہیں ہے؟ (سامعین: ہے) یہ رات ہے کہ دن ہے؟ (سامعین: دن) جمعہ کی نماز رات کو پڑھو گے؟ (سامعین: نہیں) جمعہ کا وہی وقت ہے جو ظہر کا وقت ہے۔ ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود کہ سورج چمک رہا ہے تو دن موجود ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ سورج چمکنا یہ دلیل ہے، کاہے کی؟ دن کے موجود ہونے کی۔ تو دلیل سے مدلول پر روشنی پڑی، آیا سمجھ میں؟ دلیل سے مدلول پر روشنی پڑی۔ اچھا اب تم نے یہ نہیں کہا ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود بلکہ تم نے یہ کہا دن موجود ہے، اس لیے کہ سورج چمک رہا ہے۔ پہلے پھیرے میں تم نے یہ کہا تھا کہ چوں کہ سورج چمک رہا ہے اس لیے دن موجود ہے۔ اب اس کو الٹ کر کہا، یہ دلیل لِمی ہے۔ وہاں دلیل سے مدلول پر روشنی پڑی اور یہاں مدلول سے دلیل پر روشنی پڑی۔ اب اس شعر کو سمجھنے کی کوشش کرو:

تم سے خدا کا ظہور اس سے تمہارا ظہور — لَم ہے یہ وہ اِن ہوا تم پہ کروروں درود

اللہ اکبر! اللہ ہے اس لیے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اس لیے کہ اللہ ہے، جل جلالہ وعم نوالہ۔ یاد رکھنا اس بات کو۔'' (۱۱)

تبصرہ: شعر رضا کی شرح میں احسن العلما نے تمثیل سے کام لے کر اصطلاح کی توضیح کی ہے۔ اور موجود حقیقی کے مظہر رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود کو حق تعالیٰ کے وجود کی دلیل بتایا ہے۔ اس طرح خالق کی موجودگی اور افضل الخلق کی عطائے الٰہی سے موجودگی کا فلسفہ بیان کیا ہے۔ ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ احسن العلما اپنی

بات کو منطقی دلائل سے بھی مبرہن فرماتے تھے۔

نمونۂ سوم:

تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عجم
تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزارانِ عرب

احسن العلما شعر مذکور کے تحت اپنے خطاب میں فرماتے ہیں: ''دونوں جگہ 'دام' استعمال ہوا ہے۔ ایک جگہ 'دام' کے معنی 'قیمت' کے ہیں اور ایک جگہ 'دام' کے معنی 'جال' کے ہیں۔ تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عجم۔ تیرے بے دام کے۔ دام کوئی نہیں ٹھہرایا آپ نے۔ معاذ اللہ آپ نے کوئی جال بھی نہیں پھیلایا لیکن جس کو دیکھیے تو معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سب جال میں قید ہیں۔ (یعنی اسیر محبت ہیں) آپ کی آنکھ (مبارک) دیکھی، آپ کے چہرہ (اقدس) پر نظر پڑی۔ بوجہل نے جب کہا کہ انھیں بند کر دو، انھیں جیل میں ڈال دو تو اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا کہ نہیں اس سے بھی کام نہیں چلے گا، ان کا سوشل بائی کاٹ کر دو۔ کسی نے کہا اس سے بھی کام نہیں چلے گا، کہا ان کے گھر آنا جانا بند کر دو۔ کہا اس سے بھی کام نہیں چلے گا، کہا ان کے راستے میں کانٹے بچھا دو، تو کہا اس سے بھی کام نہیں چلے گا اس لیے کہ تم نے بند کر دیا جیل میں، جیل کی سلاخوں کے پیچھے یہ چلے گئے لیکن جوان کو باہر سے دیکھے گا، کسی کی آنکھ میں پیار تیری زبان میں ہے، کسی کی آنکھ میں جادو تیری زبان میں ہے۔ اللہ اکبر! اگر ایک بات بھی کر لی یا بات بھی نہیں کی، ان کی زبان بھی نہیں ہلی، صرف چہرے پر نظر پڑی تو ان کی صورت پاک پر وہ جاذبیت ہے، وہ کشش ہے۔ عام طور پر لوگ ایسے موقع پر بول دیتے ہیں وہ گل موہنی ہے، لیکن میں احترام رسالت کے سلسلے میں یہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہتا۔ وہ کشش وہ جاذبیت ہے۔ اللہ اکبر! کہ جو آتا ہے قتل کرنے کے لیے وہ خود قتل ہو کر واپس جاتا ہے۔'' (۱۲)

تبصرہ: احسن العلما نے شعر کی شرح میں وہ عجب دل کش منظر نگاری کی ہے کہ عشق کے قافلے صف در صف نظر آتے ہیں۔ حسد میں لوگ آتے ہیں نبوی عظمت کا چراغ گل کرنے لیکن اک جھلک دیکھ کر قتل (فدا) ہو جاتے ہیں۔ ایمان کی لذت سے آشنا ہو کر اسیر بارگاہِ ناز ہو جاتے ہیں۔ احسن العلما نے سادگی و پرکاری کا عمدہ نمونہ اپنی تشریح میں پیش کیا ہے۔ ہمارے مقررین کو ایسی ہی سادہ تشریح کر کے عوام کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہیے۔

نمونۂ چہارم:

کیا بات رضا اس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

احسن العلما شعر مذکور کے تحت فرماتے ہیں: ''کیا بات رضا...... کیا بات رضا...... یوں تو بہت

چمنستان ہیں،موگرا بھی کھل رہا ہے،موتیا بھی کھل رہا ہے،اورسوسن و یاسمن اور بنفشہ اورگل ونسترن سب ہی موجود ہیں،اللہ اکبر!لیکن کہیں ایسا بھی چھوٹا سا گلستاں مل جاتا ہے،بظاہر چھوٹا سا ہے لیکن اس میں اورکوئی پھول ہے یا نہیں ہے لیکن ''گل ہزارہ'' لگا ہوا ہے۔میاں!جب گلاب کھلتا ہے تو سب کی خوش بوئیں ماند ہوجاتی ہیں اور گلاب ہی میں خاصیت ہے کہ زندہ رہتا ہے تو خوش بو دیتا ہے اور مُرجھا جاتا ہے تو بھی خوش بو دیا کرتا ہے۔بولو بھائی،سچ ہے!(سامعین:سچ ہے) آئی بات سمجھ میں میری!ارے زندہ رہتا ہے،اس کی پتیاں ہری رہتی ہیں، تازہ رہتی ہیں،تب بھی خوش بو دیتا ہے،اللہ اکبر!اور جب بالکل مُرجھا جاتا ہے،چُڑمُڑ ہوجاتا ہے،عطاروں کے یہاں سے جوگلاب آتا ہے،یونانی دواؤں میں شامل ہوتا ہے وہ خشک ہونے کے بعد بھی خوش بو دیتا ہے۔ سبحان اللہ!یہ گل ہزارہ ہی میں خصوصیت ہے،موگرا بھی مُرجھانے کے بعد بے کار ہوجاتا ہے،کوئی خوش بو اس میں نہیں ہوتی۔اور بہت سے تو ایسے بھی پھول ہیں جن میں کوئی خوش بو ہوتی ہی نہیں ہے،اللہ اکبر!ایسی بات ہے نا؟(سامعین:جی ہاں) ایک انار ہوتا ہے،ایک گل انار ہوتا ہے۔بولو!گل انار میں خوش بو ہوتی ہے؟اس میں کوئی خوش بو نہیں ہوتی انار کا جو پھل ہوتا ہے اس میں خوش بو ہوا کرتی ہے،لیکن گل ہزارہ،گل گلاب وہ پورے چمن کی زینت ہوا کرتا ہے۔تو فرماتے ہیں یہ جو چمنستاں ہے،یہ چمنستانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم(ہے):

کیا بات رضاؔ اس چمنستان کرم کی　　　زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول''(۱۳)

[شعر مذکور کے تحت احسن العلما نے آگے حضرت امام حسن و امام حسین کی ولادت،ان پر آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عنایات،حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت و عظمت کا تذکرہ کیا ہے نیز مزید تشریحی نکات اجاگر کیے ہیں۔مکمل تشریح سید محمد اشرف میاں برکاتی کی تالیف ''یادِ حسن''(مطبوعہ دارالاشاعت برکاتی مارہرہ مطہرہ ۲۰۰۳ء) میں ملاحظہ کریں۔]

تبصرہ: باغبانی کے ماہرین اس تشریح سے کیا حظ اٹھائیں گے،شعر رضاؔ کی تفہیم میں گلستاں آباد فرما دیا ہے احسن العلما نے،گل برکات نے گلشن بریلی کی وہ بہار ایک شعر کی تشریح میں سمو دی کہ طبیعت فرحت و انبساط پاتی ہے اور روح جھوم جھوم اٹھتی ہے۔گویا یہ تشریح طبعی ہے،جس میں گلوں کی کیفیات کے تناظر میں حضرات حسنین کریمین اور باغِ نبوت کے سدا بہار پھولوں کی نکہت کا ذکر ایسے انداز میں موجود ہے کہ خشک ذہن بھی تازگی محسوس کریں گے یعنی محبت اہل بیت اطہار سے ایمان کے باغ میں بہار آئے گی۔

نمونۂ پنجم:

میں نے کہا کہ جلوۂ اصل میں کس طرح گمیں
صبح نے نور مہر میں مٹ کے دکھا دیا کہ یوں

شعر مذکور کے تحت احسن العلما تصوف کا نکتہ بیان فرماتے ہیں،تمثیل کی روشنی میں بہ غور پڑھیں:

''میں ان ہی دو ندیوں کی مثال آپ کے سامنے رکھتا ہوں،ایک جسے 'گنگا' کہتے ہیں اور ایک جسے 'جمنا' کہتے ہیں۔دونوں کے پانی کا رنگ الگ ہے،دونوں کے شہر جن جن سے وہ گزری ہیں وہ شہر الگ الگ ہیں۔ایسا ایک ہی شہر ہے الہ آباد کہ جہاں پر دونوں ندیاں ایک جگہ موجود ہیں بلکہ تیسری 'ترِوینی' وہ بھی موجود ہے۔وہی مقام سنگم کہلاتا ہے جو مشرکین کے نزدیک متبرک مقام مانا جاتا ہے..........تو گنگا کی دھار کا رنگ الگ ہے اور جمنا کی دھار کا رنگ الگ ہے۔یہ دونوں بہہ رہی ہیں تو جب تک یہ اپنی اصل کی تلاش میں ہیں تب تک ان کا رنگ الگ الگ ہے۔تب تک ان کے رنگ جدا جدا ہیں۔آپ دیکھ رہے ہیں گنگا کو بھی تلاش ہے سمندر کی،جمنا کو بھی تلاش ہے سمندر کی،اور ترِوینی کو بھی تلاش ہے سمندر کی،اور سرجو کو بھی تلاش ہے سمندر کی۔ان کا مقام الگ الگ ہے،ان کے رنگ الگ الگ ہیں،ان کے بہنے کی کیفیت الگ الگ ہے،ان کی شوریدگی اور سرمستی الگ الگ ہے لیکن جب مقام سنگم پر جب یہ سب مل جاتی ہیں اور مل کر ایک دھار ہو کر پھر آگے بڑھتی ہیں اور خلیج بنگال میں جا کر اپنی اصل میں یعنی 'سمندر' میں مل جاتی ہیں،جب وصل و وصال حاصل ہوجاتا ہے تب آپ یہ نہیں کہہ سکتے......اب اسی خلیج بنگال میں،سمندر میں گنگا بھی ہے،اسی میں جمنا بھی ہے،اسی میں ترِوینی بھی ہے،اسی میں سرجو بھی ہے،لیکن اب وہاں رنگوں کا کوئی امتیاز نہیں ہے، لہروں کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔اب آپ اس کو صرف سمندر کہہ رہے ہیں،صرف بحر کہہ رہے ہیں،صرف اسے بحر عرب کہہ رہے ہیں یا بحر ہند کہہ رہے ہیں۔اب آپ اس کو گنگا نہیں کہتے،اب آپ اس کو جمنا نہیں کہتے،اس لیے کہ وصال ہوگیا ہے،مل گئی ہے اس کو اپنی اصل،فرع اصل میں گم ہوگئی ہے،وہی میرے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

میں نے کہا کہ جلوۂ اصل میں کس طرح گمیں　　　صبح نے نور مہر میں مٹ کے دکھا دیا کہ یوں

سادے سادے الفاظ میں (فلسفۂ) ''وحدت الوجود'' بیان کر رہے ہیں۔''میں نے کہا......'' کیوں کہ سرکار وجودی تھے،ہم بھی وجودی ہیں،ہمارے بزرگ وہ سب وجودی تھے،شہودی نہیں تھے،حالاں کہ ہمارے یہاں شہود بھی ہے،الحمدللہ رب العالمین۔ہمارے یہاں چشتیت بھی ہے،قادریت بھی ہے،سہروردیت بھی ہے،نقشبندیت بھی ہے،لیکن وحدت الوجود غالب ہے،صاحب البرکات (حضرت شاہ برکت اللہ عشقی مارہروی قدس سرہٗ) خود وجودی تھے،میر عبدالواحد بلگرامی (صاحب سبع سنابل شریف) خود وجودی تھے،رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا۔انھیں بھی تلاش تھی اصل کی۔گنگا کو بھی تلاش تھی اصل کی۔اس لیے گنگا میں خود کا کوئی وجود نہیں تھا، اصل میں سمندر کا وجود تھا،اسی سے کچھ پانی الگ ہوا تو وہی دور چلا گیا تو سمندر کے اس حصے کو گنگا کہنے لگے۔اس کا کوئی دوسرا حصہ تھا اس کو جمنا کہنے لگے،اب ان سب کو اپنی اصل کی تلاش تھی،تو بہہ رہے ہیں اور ایسے بہہ

رہے ہیں کہ ان کے راستے میں ٹیلے اگر حائل ہوتے ہیں تو ٹیلوں کو بہالے جاتے ہیں، پہاڑیاں اگر حائل ہوتی ہیں تو پہاڑوں کو بہالے جاتے ہیں.......... جب سیلاب آتے ہیں تو گاؤں کے گاؤں کرۂ زمین سے، جغرافیہ سے ناپید ہوجاتے ہیں، پتا بھی نہیں چلتا کہ یہاں پر کبھی کوئی آبادی تھی کیوں کہ ان میں ایک ایسا غراٹا ہوتا ہے، ایک ایسی شوریدگی ہوتی ہے، ایک ایسی مستی ہوتی ہے کہ بس بہہ رہی ہیں کیوں کہ انھیں وصال درکار ہے، وصل درکار ہے، اپنے اصل میں یہ مل جانا چاہتی ہیں، جب تک ملی نہیں تھیں......

جب تک بکے نہ تھے کوئی پوچھتا نہ تھا — تم نے خرید کر ہمیں اَن مول کر دیا

سمجھ گئے آپ! تو جب تک وصل نہیں ہوا تھا گنگا گنگا تھی، جمنا جمنا تھی، اللہ اکبر! اور جب وصل ہوگیا، جب خلیج بنگال میں جا کر وہ گرگئی اب کوئی دھار گنگا کی وہاں نہیں ہے، وہاں ایک پانی کا رنگ ہے، ایک بہنے کا طریقہ ہے، ایک کیفیت ہے اس کے غراٹوں کی، ایک کیفیت ہے اس کے تموج کی، ورنہ گنگا کے تموج کا اور عالم تھا، جمنا کے تموج کا اور عالم تھا، سرجو کے تموج کا اور عالم تھا لیکن وہاں جا کر سب ایک ہوگئے اور اسی کو کہا کہنے والوں نے، فارسی والا کہتا ہے:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی — تا کس نہ گوید بعد از اں من دیگرم تو دیگری

اب تک تو من و تو چل رہا تھا جب تک وصال نہیں ہوا تھا، جب تک فراق تھا، جب تک ہجر تھا اس وقت میں میں تھا اور تو تو تھا لیکن جب وصال ہوگیا جب مل گئے، جب اصل مل گئی، فرع میں داخل ہوگئی، بقول اعلیٰ حضرت، فرماتے ہیں:

میں نے کہا کہ جلوۂ اصل میں کس طرح گمیں — صبح نے نور مہر میں مٹ کے دکھا دیا کہ یوں

ایسے ملا کرتے ہیں، ایسے وصال ہوا کرتا ہے۔ فراق تھا، دوری تھی، مجبوری تھی لیکن جب اپنی اصل میں مل گئے تو اصل ہی رہ گئی، فرع کا وہاں کوئی سوال ہی نہیں رہا، فرع کا کوئی وجود ہی نہیں رہا.....''(۱۴)

تبصرہ: اس تشریح میں تصوف کا موضوع ''وحدت الوجود'' جس تمثیل کے ساتھ سمجھایا گیا ہے وہ پہلو اچھوتا ہے، صوفیا میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا مسئلہ ایک علمی اختلاف کی شکل میں سامنے آیا، امام احمد رضا نے اپنے رسالہ ''مقال عرفا'' نیز دوسرے فتاویٰ میں اس پر روشنی ڈالی ہے، اور وحدت الوجود کی تائید کی ہے۔ اس لحاظ سے شعر رضا کی جس سادگی کے ساتھ شرح احسن العلما نے کی وہ کم پڑھے لکھے کو بھی سمجھ میں آجاتی ہے ساتھ ہی امام احمد رضا کی وسعت علمی کا نظارہ بھی نگاہوں کو خیرہ کرتا ہے۔ اس میں احسن العلما کی جغرافیہ بیں نگاہ بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔ منظر نگاری کی ادبی چاشنی بھی جلوہ آرا ہے۔

نمونۂ ششم:

ایک سینہ تک مشابہ اِک وہاں سے پاؤں تک
حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا

احسن العلما اس شعر کے تحت فرماتے ہیں: ''(حضرت امام) حسن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سینہ تک مشابہ تھے اور (حضرت امام) حسین سینہ سے پاؤں تک سب سے زیادہ اشبہ تھے۔ اپنے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم، سے ایک جو بڑے تھے وہ سر سے لے کر سینہ تک اور دوسرے سینہ سے لے کر پاؤں تک مشابہ تھے، اللہ اکبر، وہی میرے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

ایک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک — حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا

'نیما' کہتے ہیں 'صدری' کو، ایک پلّا اِدھر ہوتا ہے، ایک پلّا اُدھر ہوتا ہے ع

حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا

سیدھے طرف کے پلّے میں 'بوتام' ہوتے ہیں، اُلٹی طرف کے پلّے میں کیا ہوتا ہے 'کاج' ہوتے ہیں، اور جب 'کاج' پر 'بوتام' لگ گیا تو ایک ہوجاتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی ہے اور کھولیے تو دو الگ الگ ہوگئے، تو فرماتے ہیں ع

حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا

اُن کے دونوں کے کپڑوں میں آدھا آدھا بٹا ہوا ہے، اللہ اکبر، اللہ کے رسول کا حسن، تو فرماتے ہیں، تقطیع فرماتے ہیں (اعلیٰ حضرت) اس شعر کو بیان کر کے، اس کے مضمون کی تشریح فرماتے ہیں:

صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں — خطِ توَام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

ایک خط ہوتا ہے، لکھنے کا ایک اسلوبِ نگارش ہے جسے خطِ توَام کہتے ہیں، جڑواں خط کہلاتا، جڑواں بھائی پیدا ہوتے ہیں.......... ہم یہی سنتے چلے آئے ہیں بوڑھوں سے جو جڑواں بھائی پیدا ہوتے ہیں، ایک کو جب زکام ہوا تو دوسرے کو بھی زکام ہوگا، ایک کو بخار آیا تو دوسرے کو بھی بخار آئے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں آپ کو سب کو امراضِ جسمانی وروحانی سے، ہمارے بچوں کو بھی محفوظ رکھے۔ ایک اگر موٹا تازہ ہے تو دوسرا بھی فربہ ہے، ایک اگر بیمار ہوتا ہے تو دوسرا بھی بیمار ہوجاتا ہے۔ دونوں میں بہت زیادہ مشابہت ہوتی ہے، تو فرماتے ہیں ع

خطِ توَام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

اگر ان دونوں خطوں کو حکمت سے کسی ہتھیار سے الگ الگ کر دیا جائے تو نہ یہ سمجھ میں آئے گا نہ پھر وہ سمجھ میں آئے گا، سمجھ میں جب آئے گا جب دونوں کو جوڑ دیا جائے گا ع

خطِ توَام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

دو ورق حسن وحسین، تو جب تک حسن وحسین دونوں کو ملا نہیں لیں گے، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلوہ آرائیاں آپ کے سامنے نہیں آئیں گی۔''(۱۵)

تبصرہ: احسن العلمانے شعر مذکور کی شرح میں حضرات حسنین کریمین کی خصوصیت بیان کی ہے اور تشریح میں تمثیل سے کام لے کر عام فہم پیرائے میں شعر مذکور سے جڑے دوسرے شعر کی بھی وضاحت کی، ہم اہل سنت کے یہاں یہ اعتدال ہے کہ اہلِ بیت کی محبت بھی ہے اور صحابہ کی محبت وعظمت بھی۔ امام احمد رضا نے اپنے اشعار میں اسی محبت کے نغمے الاپے ہیں جن سے محسوسات حظ اٹھاتے ہیں۔

احسن العلمانے اپنے خطبات میں جو تشریحات حدائق بخشش کے اشعار کی کی ہیں ان میں دو طرح کا اسلوب ہے: (۱) عام اسلوب (۲) خاص اسلوب

خطبات میں اشعار رضا کی تشریح میں عوام کے ذوق کو پیش نظر رکھا اس لیے علمی دقائق کی بجائے عام فہم توضیح پر اکتفا فرمایا لیکن جب محفل خواص علما، دانش وروں اور ادبا کی سجتی تو وہ علمی نکات بیان فرماتے کہ اہلِ محفل عش عش کرا ٹھتے۔ ایسی کئی تشریحات پیش نظر ہیں جن میں اشعار رضا کی توضیح قرآن مقدس اور احادیث مبارکہ سے کی ہے اور دقیق نکتوں کو بھی اجاگر فرمایا ہے۔ اس نوع کی تشریحات طویل ہیں جن پر پھر کبھی لکھا جائے گا۔

تفہیم کے سلسلے میں ایک واقعہ:

۱۹۸۵ء میں احسن العلمانے کراچی میں مشہور مترجم و ادیب حضرت شمس بریلوی (م ۱۹۹۷ء) سے ملاقات کی، اس ملاقات کا مقصد بعض اشعار رضا کی توضیح وتفہیم کے سلسلے میں استفسار تھا۔ حضرت شمس بریلوی نے امام احمد رضا کے کئی ان قصائد پر تشریحی کام کیا تھا جو اصطلاح ہیئت ونجوم، علم فلکیات کے ضمن میں نظم ہوئے۔ اور کلام رضا کے فنی تجزیہ کے حوالے سے بھی حضرت شمس بریلوی کی خاصی شہرت تھی، ملاقات کے احوال پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری (سکریٹری ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی) کی زبانی ملاحظہ کریں جو اس محفلِ ملاقات کے شاہد تھے، موصوف لکھتے ہیں:

''حضرت حسن میاں صاحب علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے، اور جا بجا صفحات پر نشانیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ حضرت حسن میاں نے فرمایا: شمس صاحب آپ سے اعلیٰ حضرت کے چند نعتیہ اشعار کی تشریح درکار ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ برصغیر پاک وہند میں صرف آپ ہی ان اشعار کی تشریح کرسکیں گے، کہ آپ ہی نے کلام رضا کا ادبی وتحقیقی جائزہ پیش کیا ہے، میں نے کئی حضرات سے ان اشعار کی تشریح کے سلسلے میں رجوع کیا مگر مجھے کوئی بھی ان اشعار کے مطالب ومفاہیم سے مطمئن نہ کرسکا۔ حضرت حسن میاں نے سب سے پہلے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا یہ شعر پڑھا اور فرمایا کہ آپ اس کی تشریح فرمائیں:

بلبل ونیل پر وکبک بنو پروانو ... مہ وخورشید پہ ہنستے ہیں چراغانِ عرب

حضرت شمس نے بے تامل فرمایا کہ: اعلیٰ حضرت کے اس شعر کا بنیادی خیال اس شعر میں موجود ہے:

کہہ دو یہ کوہ کن سے کہ مرنا نہیں کمال ... مر مر کے ہجر یار میں جینا کمال ہے

اس شعر میں ایک تلمیح ہے............ تلمیح یہ ہے کہ ''بلبل'' گل پر فریفتہ ہے۔ نیل پر (فاختہ کے برابر جسم والا بہت ہی خوب صورت پرندہ) آفتاب پر عاشق ہے۔ اور ''کبک'' نیل پر کی طرح بجائے آفتاب کے ماہ تاب پر جان دیتا ہے۔ یہ تینوں عاشقان صادق اپنے محبوب کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ بلبل تو گل بن پر منڈلاتی ہے اور چکر لگاتے لگاتے بےخود ہو کر گل پر اپنے رخسار رکھ کر بے ہوش ہو جاتی ہے اور بار بار کے اس عمل سے اس کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے............ ''نیل پر'' جب آفتاب نصف النہار پر ہوتا ہے تو اس تک پہنچنے کے لیے بے تحاشا پرواز کرتا ہے اور بہ حد تاب و تواں پرواز کرتا ہے اور آخر کار اس پرواز میں اس کا جگر پھٹ جاتا ہے اور فضا سے مردہ زمین پر گرتا ہے۔ ''کبک'' کا بھی یہی حال ہے کہ ماہ تاب پر فریفتہ ہے، ماہ کامل کو دیکھ کر بے ساختہ چیختا ہے یا اس کی طرف پرواز کرتا ہے اور ''نیل پر'' کی طرح آخر کار یہ بھی مرکز زمین پر آ گرتا ہے۔ کبک، نیل پر سے تقریباً دوگنا اور سہ گنا بڑا ہوتا ہے، بعض لوگ کبک کو گھروں میں پالتے ہیں اور اس کے پنجرے کو چاندنی سے اس حد تک بچاتے ہیں کہ اس کے پنجرے پر دو تین بستی چڑھاتے ہیں، اگر چاندنی کی ایک کرن بھی دیکھ لیتا ہے تو پھر بے تحاشا چیختا ہے۔

اس تلمیح کو سامنے رکھتے ہوئے شعر کے مفہوم پر غور کیجیے کہ حضرت رضا فرماتے ہیں کہ اے پروانو! تم شمع محفل پر اس طرح خاموشی سے جان کو قربان کرتے ہو، جان اگر قربان کرنا ہے تو بلبل، نیل پر اور کبک کی طرح قربان کرو، کہ چراغانِ عرب تو مہ وخورشید سے بھی زیادہ فروزاں ہیں، شمع محفل کا کیا ذکر، اس طرح حضرت شمس کئی منٹ تک اس شعر کی تشریح فرماتے رہے............'' (۱۶)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت احسن العلما کو اشعار رضا کی تفہیم وتوضیح سے کس قدر دل چسپی تھی، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شمس بریلوی کی علمی حیثیت احسن العلما کی نظر میں کتنی بلند تھی گویا حضرت شمس بریلوی کی ادبی وعلمی بصیرت پر مہر تصدیق لگا دی ہے احسن العلمانے۔

بہر حال اختصار کے پیش نظر انھیں چند نکات پر موضوع کو سمیٹا جاتا ہے۔ احسن العلما کی وہ تحریریں جو مارہرہ شریف کے کتب خانہ میں محفوظ ہوں گی ان میں بھی یقیناً تفہیم کلام رضا کے پہلو سے مواد ہوگا جس کو سامنے لانے پر اشعار رضا کی تحقیق وتفہیم اور توضیح میں بڑی مدد ملے گی، امید کہ بزم ادب کا کوئی خوشہ چیں اپنی رہ وارِ فکر کو اس موضوع پر موڑ کر علم وادب کے کئی ایسے جواہر پارے سامنے لائے جن سے نگاہیں خیرہ ہوں اور علمی ذخیرے میں قابل قدر اضافہ ہو۔

خلاصۂ کلام:

احسن العلما کی شخصیت بڑی جامع اور تہ دار تھی، ان کی زندگی سراپا درس تھی، خطبا درس لیں، احسن

العلما کی سی سادگی اپنائیں، تصنع و بناوٹ سے خطابت کا حسن ماند پڑ جاتا ہے، خطاب کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، احسن العلما اپنے خطاب کے ذریعے اشعارِ رضا کی محض تفہیم ہی نہیں فرماتے بلکہ اسلامی تعلیمات اور سیرت طیبہ کے نقوش، محبت اہل بیت اطہار نیز اولیاے کرام کی عقیدت کا عطر کشید کر دیتے جس سے من کی دنیا میں خوش بو پھیل جاتی اور ایمان کی فصل ہری ہو جاتی، آپ کی گفتگو عالمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ صوفیانہ بھی ہوتی جس سے اخلاقی بصیرت بھی مہیا ہوتی، اور خانقاہ برکاتیہ نے تو ہر دور میں کردار سازی کا مقدس فریضہ انجام دیا ہے۔ اشعار رضاؔ کے حوالے سے احسن العلما نے اخلاق و کردار نبوی علیہ التحیۃ والثنا کی وہ تشریح فرمائی کہ جنھیں بزم حیات میں سجا لیا جائے تو ذہن و فکر نور نور ہو جائیں، خیالات کی وادیاں زرخیز ہو جائیں، اور خطیب کی خطابت کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ جو بات پیش کی جا رہی ہے اسے عملی طور پر قبول کیا جائے۔

احسن العلما نے اشعار رضاؔ کی شرح کیا فرمائی سیرت طیبہ کے جلوے نکھر کر سامنے آ جاتے ہیں۔ امام احمد رضا نے نعت کے تناظر میں محبت نبوی کی روح اگلی نسلوں میں منتقل کی، دل کو طیبہ کی یاد میں وارفتہ کر دیا، ایسا کہ قول و فعل سبھی سنت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آئینہ دار ہو گئے، دل و جاں، ہوش و خرد، فکر و نظر سبھی کچھ شہ بطحا کے دیار کی یادوں میں کھو گئے، وارفتہ و فدا ہو گئے، یہی عشق کی معراج بھی ہے اور منزل مقصود بھی، بقول اعلیٰ حضرت:

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا

امام احمد رضا نے اپنی شاعری کے ذریعے دین حق کی روشن راہ واضح کی، اور اس پر استقامت کے لیے جان ایمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت و تعلق اور روح کا رشتہ ضروری ہے۔ ایسی محبت جس میں واقعیت ہو۔ امام احمد رضا نے تحقیق و مشاہدہ کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالا کہ اس دور انحطاط میں جب کہ فکروں کا سودا کیا جا چکا تھا، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی و توہین کی فضاے مسموم ہموار کی جا چکی تھی، عشق و محبت رسول کی متاعِ گراں بہا کی حفاظت اشد ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا کا شعری و نثری سرمایہ عظمت و شان اور تعظیم مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آئینہ دار ہے۔ آپ کی محتاط شاعری کی توضیح کے لیے بھی علم وسیع درکار ہے، احسن العلما جیسی محتاط شخصیت جن کا علمی استحضار ان کے عہد میں مسلّم تھا، نے اشعار رضاؔ کی تفہیم کا نکھرا اور ستھرا مزاج دیا، راقم نے جتنے نمونے پیش کیے وہ تشریحات کے بعض پیرا گراف پر مشتمل ہیں ورنہ ایسے تشریحی نکات بھی موجود ہیں جو ایک ایک شعر کی شرح میں دسیوں صفحات پر محیط ہیں۔ آپ کی بصیرت علم اور رضویات جو بہ طور فرع علم متعارف ہے اس میں مہارت پر شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کا یہ تبصرہ صداقت کا آئینہ دار ہے:

"(احسن العلما) مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے عاشق زار تھے۔ مسلک اعلیٰ حضرت سے سرمو انحراف کو

برداشت نہ کر پاتے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حالات و کوائف کے جزئیات پر کامل عبور تھا میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ اپنے وقت میں سب سے بڑے "ماہر رضویات" تھے۔"(۱۷)

احسن العلما علیہ الرحمہ نے امام احمد رضا کے اشعار کی تشریح و تفہیم کا جو معیاری نمونہ پیش کیا اور واعظین کو خطابت کے لیے اشعار رضاؔ سے استفادے کا سلیقہ بخشا اسے مزید اجاگر کیا جانا چاہیے، خطبا و واعظین ایک ایک شعر کی تشریح احسن العلما کے اسلوبِ تفہیم کے آئینے میں کریں گے تو عام طبقہ بھی منظومات رضاؔ کے علمی دقایق نیز فنی خوبیوں سے آشنا و آگاہ ہوگا، جس سے عشق رسول کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی تپش تیز ہوگی۔

☆☆☆

حوالہ جات

(۱) سید محمد اشرف برکاتی، یاد حسن، مطبوعہ دار الاشاعت برکاتی مارہرہ مطہرہ ۲۰۰۳ء، ص ۱۹

(۲) پروفیسر ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم مارہروی نے احسن العلما کی متعدد تقاریر کو تحریری شکل دے کر شایع فرمایا ہے

(۳) اہل سنت کی آواز مارہرہ مطہرہ، ص ۲۷۲، اکتوبر ۱۹۹۹ء

(۴) نفس مصدر، خصوصی شمارہ: اکابر مارہرہ مطہرہ (حصۂ دوم) ص ۶۴۲۔۶۴۳، اکتوبر ۲۰۱۰ء

(۵) نفس مصدر، خصوصی شمارہ: اکابر مارہرہ مطہرہ (حصۂ دوم) ص ۵۶۲، اکتوبر ۲۰۱۰ء

(۶) نفس مصدر، ص ۷۸، اکتوبر ۲۰۰۰ء

(۷) نفس مصدر، خصوصی شمارہ: اکابر مارہرہ مطہرہ (حصۂ دوم) ص ۵۶۲، اکتوبر ۲۰۱۰ء

(۸) نفس مصدر، خصوصی شمارہ: اکابر مارہرہ مطہرہ (حصۂ دوم) ص ۵۶۴، اکتوبر ۲۰۱۰ء

(۹) نفس مصدر، ص ۸۵، اکتوبر ۲۰۰۰ء

(۱۰) احمد رضا بریلوی، امام، قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام، ص ۲۵، مطبوعہ برکات رضا پور بندر گجرات ۲۰۰۸ء

(۱۱) اہل سنت کی آواز مارہرہ مطہرہ، ص ۱۱۱ تا ۱۱۳، اکتوبر ۲۰۰۰ء

(۱۲) نفس مصدر، ص ۱۰۱۔۱۰۲، اکتوبر ۲۰۰۰ء

(۱۳) سید محمد اشرف برکاتی، یاد حسن، ص ۳۴۸، مطبوعہ دار الاشاعت برکاتی مارہرہ مطہرہ ۲۰۰۳ء

(۱۴) اہل سنت کی آواز مارہرہ مطہرہ، خصوصی شمارہ: اسلام کا نظریۂ توحید، ص ۳۱۰ تا ۳۱۲، اکتوبر ۲۰۰۴ء

(۱۵) سید محمد اشرف برکاتی، یاد حسن، ص ۳۵۱۔۳۵۲، مطبوعہ دار الاشاعت برکاتی مارہرہ مطہرہ ۲۰۰۳ء

(۱۶) مجید اللہ قادری، ڈاکٹر، ملفوظات شمس، ص ۴۱ تا ۴۴، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۳ء

(۱۷) سیرت احسن العلما (مجموعۂ مضامین) ص ۲۹، مطبوعہ برکاتی پبلشرز کراچی ۱۹۹۸ء